# ملکِ طاؤس

از جناب میجر خواجہ عبدالرشید صاحب۔ آئی۔ ایم۔ ایس

عراق کے شمال اور شمالِ مغرب میں ایک قوم آباد ہے جس کو کُرد کہا جاتا ہے، یہ قوم مختلف المذاہب ہے چنانچہ ان میں اکثریت شافعی مسلمانوں کی ہے۔ تقریباً پچیس ہزار ۲۵۰۰۰ یزیدی یعنی (آتش پرست طاؤسی) ہیں اور کچھ نصرانی۔ ہمیں اس وقت انہی یزیدیوں کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے۔

میں ۱۹۴۳ء میں موصل میں تھا۔ اکثر اس کے گرد و نواح میں جانے کا اتفاق ہوتا تھا۔ چار پانچ ماہ کی رہائش اور سیاحت کے بعد موصل کے تمام لیواؤں (صوبوں) کے قائم مقاموں سے آشنا ہو چکا تھا۔ اور میں بلا تکلف ان آزاد قبائل کے علاقوں میں گھومتا رہتا تھا۔ مجھے سب سے زیادہ جن افراد سے انس تھا وہ یہی یزیدی تھے، ایک تو تاریخی لحاظ سے یہ قوم بہت دلچسپ تھی۔ دوسرے ان کی مہمان نوازی نے مجھے کلیتہً محصور کر لیا تھا۔

پہلی مرتبہ جب مجھے ان سے دلچسپی پیدا ہوئی تو ایک مقام میں جس کا نام اردبیل ہے اور قفقاز کی سرحد پر واقع ہے۔ مجھے ایک یزیدی ملا۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ یزیدی کون ہوتے ہیں، فقط ہندوستان میں ان کا نام سن رکھا تھا۔ چنانچہ اس نے مختصر طور پر اپنی تاریخ بتائی۔ یہ شخص بھی کرد تھا جس طرح عراق کے شمال میں یہ قوم آباد ہے اسی طرح ایران کی مغربی سرحد کے ساتھ ساتھ اور کچھ شمالی ایران میں بھی کُرد لوگ آباد ہیں۔ کُرد ہونے کی وجہ سے اس کا لباس دیگر عراقی کردوں سے کچھ مختلف نہ تھا۔ جن سے مجھکو بعد میں ملنے کا اتفاق ہوا۔ ان کی زبان جس کو کُردی کہتے ہیں مختلف مقامات پر کچھ فرق سے بولی جاتی ہے۔ کہیں عربی زیادہ ملی ہوتی ہے

اور کہیں ترکی فارسی اور روسی۔

اس کرد کے بیان سے مجھے یزیدیوں سے دلچسپی پیدا ہو گئی۔ اور میں نے کچھ کتابیں بھی اس موضوع پر دیکھیں مگر جو معلومات اور لطف ان سے باہم اختلاط کے بعد حاصل ہوا، وہ کتابوں سے میسر نہ آیا۔ چند ایک مصنفین نے ان کا ذکر کیا ہے مگر ان کے بیانات بہت حد تک درست نہیں، غالباً اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ کردستان کا تمام علاقہ غیروں کے لئے قدغن ثابت ہوا ہے۔ ایک تو راستے بہت دشوار گذار ہیں اور سڑکیں بھی اچھی نہیں ملتیں۔ دوسرے ان کے کارنامے ہی کچھ اس قسم کے ہیں کہ اجنبی ان علاقوں سے پرہیز کرتے ہیں اور جب کبھی کسی کو کردستان میں جانے کا اتفاق ہوتا ہے تو وہ دور ہی سے اس کا مطالعہ کرتا ہے جو بہت ہی سطحی ہوتا ہے۔ [۱]

جب میں نے چند ایک کتابیں کردوں اور یزیدیوں سے متعلق ختم کیں تو مجھے ان کے مشہور مقاموں سے واقفیت ہو گئی۔ اور اب خیال ہوا کہ ان تمام علاقوں کی سیاحت کی جائے، اکثر مقامات قریب تھے۔ چنانچہ جب ۱۹۴۳ء میں موصل پہنچا تو ایک ایک کر کے یہ علاقے دیکھنا شروع کر دیئے۔ ایک مقام جس کا نام شیخ عدی تھا کچھ زیادہ فاصلہ پر تھا اور راستہ بھی بہت دشوار گذار تھا۔ اہمیت کے لحاظ سے یہ یزیدیوں کا سب سے مقدس مقام تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے میں نے اس کا ہی رُخ کیا۔ میں نے بہت سی اطلاعات اس مقام کے متعلق اپنے عراقی

---

[۱] میں پہلا ہندوستانی تھا جو اس مقام پر پہنچا۔ یہ امر مجھے بعد میں عین سفنی کے قائم مقام سے معلوم ہوا۔ ان کے دفتر میں مکمل آنے جانے والوں کے کاغذات عرصہ دراز سے موجود ہیں۔ مجھ سے پہلے صرف تین اور شخص مختلف ممالک سے اُدھر گئے ایک تو سر ہنری لے یارڈ (Sir Henry Layard) تھے اور دوسرے فرانس کے مشہور ماہر آثار قدیمہ مسٹر بوتا (Bota) تھے۔ تیسرا ایک ملٹری کا افسر تھا جو گذشتہ جنگ عظیم میں وہاں گیا۔ میرے وہاں جانے کے بعد آخر ۱۹۴۳ء تک دو انگریزی افسر اوادھر گئے اور انہوں نے بہت سے فوٹو بھی لئے اور بعد میں دو ایک انگریزی اخباروں میں میں نے وہ تصویریں بھی شائع ہوئی دیکھیں مگر ان میں کچھ علمی مواد نہ تھا۔ محض ایک سفر کا بیان درج تھا۔

دوستوں سے حاصل کرلی تھیں۔ مگر کوئی بھی وہاں جانے کی ہمت نہ بندھاتا تھا۔ کیونکہ غیر یزیدیوں کے لئے یہ جگہ قطعاً ممنوع تھی۔ حیرت کا مقام ہے کہ ایک مسلمان بزرگ کا مقبرہ اور پھر مسلمانوں ہی کے لئے قدغن اور پھر وہ بھی عراقی مملکت میں جہاں مسلمانوں کی حکومت ہے!

درحقیقت وجہ یہ تھی کہ کردوں اور عربوں میں بہت عرصہ سے ایک کشمکش چلی آرہی ہے اور ہر کرد کے لئے غیر کردی عرب ہوتا ہے۔ اور خاصکر جہاں یزیدیوں کا تعلق ہو، وہ اس رویہ میں اور بھی تیز ہوتے ہیں۔

عجیب بات ہے کہ تمام کرد لوگ خواہ وہ یزیدی ہوں یا مسلمان یا عیسائی حد درجہ کے مہمان نواز ہوتے ہیں۔ اور مجھے بھی اس کا تجربہ ہوا۔ خیر۔ ہم نے شیخ عدی کا عزم کیا۔ موصل سے شمالِ مغرب کی طرف تقریباً ۴۵ میل کا فاصلہ تھا۔ تیئس ۲۳ میل تو موٹر جاتی تھی باقی گھوڑوں اور خچروں کا راستہ تھا مگر بہت دشوار گذار۔ موٹر کا راستہ جبل المقلوب کے ساتھ ساتھ جاتا ہے جو موصل کے شمال میں تقریباً پندرہ میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ سلسلہ کوہ ترکستان کی سرحد سے تقریباً ساٹھ میل پر ختم ہوتا ہے مگر سرحد ترکستان اور اختتام جبل المقلوب کے درمیان دو مقام ہیں جہاں یزیدی کثرت سے آباد ہیں، اور تیسرا مقام خود شیخ عدی ہے جو یزیدیوں کا ایک قسم کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ چنانچہ ان دو مقاموں میں سے ایک مقام جو شیخ عدی کا پڑاؤ تھا، ہم وہاں پہنچے۔ اس جگہ کا نام عینِ سفنی ہے۔ یہاں تک موٹر چلی جاتی ہے۔ اگرچہ باقاعدہ سڑک موجود نہیں، عین سفنی ایک خوبصورت مگر مختصر سی جگہ ہے جو پست پہاڑوں پر واقع ہے۔ اس جگہ کے متعلق تمام علاقہ میں یہی مشہور ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے جب کشتی بنائی تو وہ اسی جگہ پر تیار ہوئی اور یہاں ہی ایک چشمہ ہے جس میں طوفان آگیا اور تمام گردونواح میں پھیل گیا تھا اب بھی وہ چشمہ موجود ہے۔ اس چشمے کی وجہ سے اس جگہ کو عینِ سفنی کہا جاتا ہے! واللہ اعلم بالصواب۔

جب ہم عین سفنی پہنچے تو یہاں کے قائم مقام مسٹر محمد قاسم سے ہمارا تعارف ہوا

جو کیفری لیوا کے ایک شافعی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور حال ہی میں ان کا تقرر عین سفنی میں ہوا تھا۔ اس سے پیشتر یہ کرکوک کے لیوا کے قائم مقام تھے۔ نووارد ہونے کی وجہ سے ابھی انھوں نے اپنے تمام علاقہ کا دورہ نہیں کیا تھا جو سرکاری لحاظ سے بھی ضروری تھا۔ اور پھر سیر و سیاحت کا شگفتہ مذاق بھی رکھتے تھے۔ نوجوان تھے اور تعلیم یافتہ بھی۔ انگریزی میں بھی کافی مہارت تھی۔ نہایت خوش طبع اور مہمان نواز تھے ۔ ہم نے اپنے آنے کا مقصد بتایا تو میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب انھوں نے میرے ارادے پر لبیک کہتے ہوئے فرمایا کہ کیا ابھی ارادہ ہے؟ تو چلئے! میں نے معافی چاہی، اس دن تو مشکل تھا۔ دراصل میں تو صرف انتظام کی خاطر آیا تھا کہ اگر کچھ بندوبست ہو جائے تو پھر آؤں گا۔ مگر قاسم صاحب بہت مصر تھے کہ نہیں آپ یہاں رہئے اور میں پورا انتظام کر لوں گا۔ بشکل ان کو سمجھایا کہ بھائی یہ سرکاری معاملہ ہے اور پھر میں فوجی ہوں، ہمارے ہاں اکثر پابندیاں اس قسم کی ہوتی ہیں کہ بسا اوقات خود طبیعت کو سخت کوفت ہونے لگ جاتی ہے۔ آج رات میں باہر گذارنے کی اجازت لیکر نہیں آیا۔ کل پھر حاضر ہوں گا اور تین روز کی رخصت لیکر آؤں گا۔ چنانچہ ان کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا کر کے میں واپس لوٹا۔

اگلے ہی روز میں تین دن کی رخصت لیکر پھر عین سفنی پہنچا۔ قاسم صاحب نے بہت آؤ بھگت کی۔ سفر کا پورا انتظام کر رکھا تھا۔ ہم نے اپنی موٹر اُن کے ملازموں کے حوالے کی اور خود ان کے ہمراہ گھوڑے پر سوار ہو گئے، ہمارے ساتھ چار مسلح عراقی سپاہی اور چھ یزیدی شیوخ تھے۔ دو ہرکارے پہلے سے ہی قاسم صاحب نے شیخ عدی روانہ کر دیئے تاکہ قائم مقام کی آمد کی اطلاع پہنچا دیں اور مناسب انتظام بھی کر لیں۔ قائم مقام کا عہدہ ہمارے یہاں کے گورنر کے برابر ہوتا ہے۔ اگرچہ تنخواہ کم ہوتی اور علاقہ بھی مختصر ہوتا ہے۔ تاہم جو عزت ایک قائم مقام کی ہوتی ہے وہ یہاں کے گورنروں کی بھی نہیں ہوتی۔

چھ گھنٹے کے سفر کے بعد ہم ایک وادی میں پہنچے جس کے تین طرف پہاڑ تھے درختوں سے

ڈھکی ہوئی، دور چوٹیوں پر برف بھی نظر آرہی تھی۔ اسی وادی کے درمیان ہمیں دور سے دو مخروطی عمارتیں نظر پڑیں۔ پوچھنے سے معلوم ہوا کہ یہی مقبرہ شیخ عدی صاحب کا ہے اور اس کے ارد گرد جو مکانات نظر آرہے ہیں یہی بستی شیخ عدی ہے۔

قبل اس کے کہ ہم شیخ عدی کے مقبرہ کے متعلق کچھ عرض کریں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جناب شیخ کے متعلق کچھ تفصیل کردی جائے۔ آپ کا اسمِ مبارک شیخ عدی ابن مسافر الدمشقی ہے اور آپ یزید ابنِ معاویہ کے خاندان میں سے تھے۔ آپ کا آنا ادھر کیسے ہوا، ذیل کے حالات سے واضح ہوجائیگا۔

واقعہ کربلا سے پیشتر کردوں کی اس قوم کو جس کا نام آجکل یزیدی ہے، بزواری (Bazwarie) کہا جاتا تھا۔ (یہ حقیقت مجھے قائم مقام کے کتب خانہ سے معلوم ہوئی جہاں ان اضلاع کی مختلف اقوام کی مکمل تاریخ موجود تھی مگر اب تک یہ شائع نہیں ہوئی ہے۔ البتہ عراق ڈائرکٹری مطبوعہ ۱۹۳۶ء بغداد میں کچھ تفصیل ان کے متعلق ملتی ہے) یہ بالکل جاہل اور وحشی قوم تھی اور عراق کے شمالِ مغرب کے اطراف میں کوہستانوں کے اندر بکھری ہوئی اور نہایت جنگجو اور دلیر تھی۔ اس وقت یہ آتش پرست تھے اور ہمارا ذاتی خیال ہے کہ یزیدی کہلانے سے پیشتر یعنی جس وقت بزواری تھے، زردشتی مذہب رکھتے تھے۔ اگرچہ اولین آرین بھی جو اس طرف آئے آتش پرست ہی تھے مگر ان میں آہورمزد کی بجائے آشور دیوتا تھا۔ چنانچہ اب تو مورخین نے یہ ثابت کردیا ہے کہ آہور اور آشور ایک ہی نام ہیں۔ آشور کے علاوہ ان آرین کے اور بھی ویدک دیوتا موجود تھے۔ مثلاً اندر، متھرا، اور ورونا (Indra, Mithra & Varuna.) دوسرے موصل اور کرکوک کے گردونواح میں جو نفت کے کوؤں سے آگ جاری ہے ان کے شعلے ایک عجیب منظر رکھتے ہیں۔ انسانی ذہن جب شروع شروع میں ایسے مناظر سے دوچار ہوا تو ان مناظر کی پرستش کرنے لگا۔ خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ بہرحال ہمارا خیال یہی ہے کہ بزواری زردشتی ہی تھے آج کل بھی ان کے آتش کدے (Fire Temples.) موجود ہیں اگرچہ کم ہیں۔

واقعہ کربلا کے وقت یزید ابنِ معاویہ کو سپاہیوں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ عام روایات کے مطابق جو اس وقت تمام کردستان میں رائج ہیں، یہی مشہور ہے کہ یزید ابنِ معاویہ کی مسلمان فوجوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے اہل و عیال پر حملہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ چنانچہ ان بزواریوں کو پہاڑوں سے گھیر کر لایا گیا اور ان کو معقول تنخواہیں دیکر حضرت امام حسین علیہ السلام کے خلاف لڑوایا گیا۔ اس واقعہ کربلا کے بعد ان کردوں کا نام یزیدی پڑ گیا۔ اس تحقیق پر عراق کے علماء کا اتفاق ہے۔ البتہ وہ یہ نہیں بتا سکتے کہ یزیدی کہلانے سے پیشتر یہ کون تھے!

اب ان کردوں کا تعلق مسلمانوں اور نصرانیوں سے ہوا۔ چنانچہ انھوں نے ان دونوں مذاہب کے زیر اثر اپنے عقائد میں ترمیم شروع کر دی۔ کوشش یہی رہی کہ دونوں کی مشترکہ روایات کو اپنا لیا جائے۔ آتش پرستی ان میں پیشتر ہی سے تھی۔ جب انھوں نے ابلیس والا قصہ قرآنِ کریم اور انجیل سے سُنا تو ان کو بہت پسند آیا۔ آتش پرستی کی وجہ سے ان کو ابلیس کے ساتھ کچھ اُنس پیدا ہو گیا۔ اور انھوں نے ابلیس کو اپنا خدا بنا لیا اور اس کی تعظیم شروع کر دی۔ تمام صفاتِ الٰہی کو بھی اسی کے ساتھ وابستہ کر دیا۔ تعظیم کی یہ حد ہے کہ "شیطان" اور "ابلیس" کا لفظ سخت ممنوع ہے۔ ایک یزیدی کسی حالت میں بھی یہ دو نام نہیں لیگا۔ اس کا انھوں نے دوسرا نام تجویز کر رکھا ہے جو آج ہمارے اس مضمون کا موضوع ہے۔ یعنی ملکِ طاؤس!

ملکِ طاؤس کی تاریخ بیان کرنے سے پیشتر ہم شیخ عدیؒ کا قصہ ختم کرنا چاہتے ہیں۔

واقعہ کربلا کے بعد مسلمان بادشاہوں کا یہ طریقہ رہا کہ وہ اپنا ایک نمائندہ کردستان میں کچھ مقرر کردہ میعاد کے لئے بھیجا کرتے تھے جو حکومت کی طرف سے ان پر قانون نافذ کرتا اور ٹیکس وصول کرتا تھا۔ یہ نمائندہ ایک قسم کا گورنر تھا۔ ان گورنروں میں سے ایک گورنر عدی بن ابن مسافر الدمشقی بھی تھے۔ آپ بہت پکے مسلمان تھے۔ اور تصوف میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ یزیدیوں کو آپ سے بے حد اُنس ہو گیا۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ جب کبھی آپ کچھ عرصہ کے لئے غیر حاضر ہو جاتے تو یزیدی پریشان نظر آتے۔

چنانچہ ایک روز سب نے ملک کر التجا کی کہ آپ کا ہمارے درمیان سے چلا جانا بہت گراں گذرتا ہے یہاں تک کہ آپ حج کو بھی جاتے ہیں تو ہم بہت پریشان اور اداس رہتے ہیں۔ ہم آپ کے لئے ایک کعبہ اور زمزم یہاں ہی بنا دیتے ہیں آپ حج کو تشریف نہ لے جایا کیجئے! چنانچہ انھوں نے ایک چشمہ جس کا نام انھوں نے زم زم رکھا بنا دیا، اور ایک سیاہ پتھر جس کو حجر اسود کہتے ہیں کہیں سے لے آئے۔ تاریخ اس کے متعلق خاموش ہے کہ شیخ عدیؒ نے ان کی یہ خواہش منظور کی یا اسے رد کر دیا۔ البتہ قرین قیاس یہی ہے کہ آپ چونکہ پکے مسلمان تھے کس طرح یہ خواہش قبول کر سکتے تھے؟ مگر یہ دونوں چیزیں وہاں ان کے مقبرے کے ساتھ موجود ہیں۔

چشمہ کا پانی نہایت صاف اور خوش ذائقہ ہے۔ رسمًا ہمیں بھی اس سے منہ دھونا پڑا اور تھوڑا پینا بھی پڑا۔ کیونکہ یہ رسم ادا کئے بغیر مقبرہ کے اندر داخل ہونا ناممکن تھا۔ پھر اس چشمہ سے ایک نہر کاٹ کر حضرت شیخ عدیؒ کے حجرہ میں لے جائی گئی ہے۔ جہاں ایک مختصر سا تالاب موجود ہے اور تالاب کے کنارے ایک چھوٹا سا پتھر بھی موجود ہے۔ مگر حجرہ کے اندر آج کل جہاں آپ کی قبر ہے اس قدر تاریکی ہے کہ کچھ نظر نہیں پڑتا۔ اس لئے پتھر کی رنگت معلوم نہیں ہو سکی۔ اگرچہ میرے پاس بجلی کی بتی تھی۔ تاہم پتھر پر اس قدر سرسوں کا تیل گرا ہوا تھا کہ اس کا رنگ تمیز کرنا مشکل تھا۔ حج کے دنوں میں یہاں بہت سے چراغ جلائے جاتے ہیں۔ تمام حجرہ سے تیل کی بو آرہی تھی ایک کونے میں دو چراغ ضرور جل رہے تھے مگر ان کی روشنی نہایت مدہم تھی۔ یہ بجھائے نہیں جاتے، ہر وقت جلتے رہتے ہیں۔ حج کے وقت اور چراغ ان سے جلائے جاتے ہیں تو ان کو یزیدی اپنے ہمراہ لے جاتے ہیں ان کو بجھایا نہیں جاتا۔ مقبرہ کے اندر داخل ہونے سے پیشتر دروازے کی داہنی چوکھٹ پر ایک سانپ کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ یہ حضرت ملک طاؤس ہیں!! یہ تصویر پتھر کے اوپر تراشی ہوئی ہے۔ انجیل کے واقعہ کے مطابق ابلیس کو سانپ کی صورت دے رکھی ہے۔

ہم اس مقبرے پر دو روز رہے۔ گرد و نواح میں بہت سے غار تھے جو حج کے دنوں میں

بطور مہمان خانوں کے استعمال کئے جاتے تھے مگر کچھ جدید عمارتیں بھی تھیں جن کو رؤسا کے لئے استعمال کیا جاتا تھا تاکہ ان کی رہائش ان کی حیثیت کے مطابق ہو۔ آج کل اگرچہ عراقی حکومت کا قائم مقام وہاں کے قریب رہتا ہے تاہم شیخ عدیؒ کے خاندان سے بھی ایک شیخ بطور سردار کے ہروقت رہتا ہے۔ آج کل کے موجودہ یزیدیوں کے امیر سعید بیگ ابنِ علی بیگ ایک معمر بزرگ ہیں۔ اور وہاں قریب ہی ایک مقام پر جس کا نام بیداری ہے مقیم ہیں مگر اب نہ وہ عزت ہے اور نہ وہ شان و شوکت۔ آپ حضرت امیر معاویہؓ کے خاندان کے آخری فرد ہیں۔ آپ کی اولاد کوئی نہیں۔ گویا یہ سلسلہ ان کے بعد ختم ہو جائے گا۔ ہماری ملاقات ان سے دو تین مرتبہ ہوئی۔

اب یزیدیوں کے اعتقادات کے متعلق کچھ عرض کرنا نامناسب نہ ہوگا۔ ان کا ایک مختصر سا قرآن ہے۔ مگر یہ اس کو پڑھتے نہیں۔ کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کردی زبان میں شیخ عدی نے ان کے لئے کچھ قرآنی آیات کا ترجمہ کیا تھا۔ بہت حد تک یہ چیز نایاب سی ہوگئی ہے۔ بہت تلاش کے بعد بھی ہمیں مایوسی ہی رہی۔ اگرچہ ایک یزیدی معلّم سے ہم نے اس کا کچھ حصہ نقل کیا یہ لوگ دن میں تین بار نماز پڑھتے ہیں۔ مگر ان کے اوقات وہی ہیں جن میں نماز پڑھنے سے مسلمانوں کو منع کیا گیا ہے۔ مثلاً صبح کی نماز سورج نکلنے کے وقت اور شام کی نماز غروب ہونے سے کچھ پہلے۔ ابلیس کو یہ خدا مانتے ہیں۔

یزیدی کہتے ہیں کہ ابلیس خدا کا دوست تھا۔ دونوں نے ملکر یہ زمین و آسمان بنائے

---

سلہ یعنی اللہ تعالیٰ آدمیوں، مویشی، جانوروں اور نور کا خالق ہے اور ابلیس، درندوں، سانپوں، بچھوؤں اور ظلمت کا خالق ہے! یہ اعتقاد زنادقہ کا بھی تھا۔ اور ہمارا خیال ہے کہ زنادقہ کا ہی کچھ اثر یزیدیوں کے اعتقاد پر پڑا، چنانچہ کلبی کا قول نقل کرتے ہوئے مجدد اعظم شیخ الاسلام تقی الدین حضرت امام ابنِ تیمیہ رح تفسیر سورۂ اخلاص میں ایک جگہ فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ وجعلوا اللہ شرکاء الجن وخلقهم وخرقوا له بنين وبناتٍ بغير علم، زنادقہ کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ زنادقہ اللہ تعالیٰ اور ابلیس کو باہم تخلیق کا شریک مانتے ہیں۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

ہیں۔ مگر کسی وجہ سے دونوں میں اختلاف ہوگیا۔ ابلیس کمزور تھا اس لئے اس کو خوار کردیا گیا اس قسم کے اور بہت سے من گھڑت قصے مشہور ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ کسی یزیدی کو بھی اپنے مذہب سے متعلق کچھ علم نہیں ہے، ان میں تعلیم یافتہ بہت کم لوگ ہیں غالباً دو فیصدی اور یہ اس جہالت کا الزام حکومت عراق پر لگاتے ہیں۔ اس کے متعلق میں کچھ آگے عرض کروں گا۔

ملک طاؤس کی تاریخ بھی دلچسپ ہے۔ دراصل یہ ابلیس کا مجسمہ ہے۔ اس کی ساخت تانبے سے ہوئی ہے۔ ملک طاؤس غالباً ابلیس کو اسی لئے کہا جاتا ہے کہ یہ فرشتوں میں ایک برگزیدہ فرشتہ تھا۔ اس مجسمہ کی شکل مختلف مصنفوں نے مختلف بنائی ہے۔ جہانتک یہ نقشے میں نے دیکھے ہیں یہ تمام غلط ہیں۔ ایک دو کتابوں میں ان کا فوٹو دیکھنے کا بھی اتفاق ہوا، اور چند ایک مصنفین نے یہ بھی کہا ہے کہ ایک مجسمہ انگلستان میں کسی کے پاس ہے، جو اس نے بغداد سے خرید کیا تھا، یہ سب غلط ہے۔ درحقیقت جب اول اول ماہرین آثار قدیمہ دجلہ و فرات کی وادی میں پہنچے اور انھوں نے کھدائی شروع کی تو عوام میں بھی آثار قدیمہ سے دلچسپی پیدا ہوگئی۔ اور جب انھوں نے دیکھا کہ غیر ملکوں کے لوگ ایسی اشیار حاصل کرنے کے لئے بہت روپیہ خرچ کرتے ہیں تو انھوں نے یہ پیشہ اختیار کرلیا کہ چند ایک اہم چیزیں نقلی بنالیں اور ان کا کاروبار شروع کردیا۔

اسی سلسلہ میں لوگوں نے ملک طاؤس بھی گھڑ لئے اور ان کو انگریزوں اور فرانسیسیوں کے ہاتھ بیچنا شروع کردیا۔ تصویر کھینچنی تو درکنار اس کو ایک نگاہ بھر کر بھی دیکھنا محال ہے کیونکہ یزیدی کبھی غیر یزیدی کے سامنے اسے نہیں لائیگا۔ اور اگر کسی واقف پر خاص دباؤ ڈالا بھی جائے اور وہ لے آئے (اول تو ان کا پتہ نہیں ہوتا کہ کہاں گھوم رہے ہیں اور اگر پتہ چل بھی جائے کہ فلاں علاقے میں ایک بطور زیارت آیا ہوا ہے تو وہاں اسقدر جمگھٹا ہوتا ہے کہ اس کا دیکھنا بالکل ایک غیر ممکن امر ہے) تو وہ محض ایک جھلک دور ہی سے دکھا کر لے جاتا ہے۔ ان کو

خود یہ ڈر ہوتا ہے کہ مجھے کوئی دیکھ نہ لے! مجھے خود صرف ایک مرتبہ دیکھنے کا اتفاق ہوا اور وہ بھی بہت قلیل عرصہ کے لئے۔ مگر چونکہ میں نے پیشتر ہی سے اس کی تصاویر دیکھ رکھی تھیں اس لئے اس کی ساخت سمجھنے میں دقت پیش نہ آئی اور پھر میں اس کی تفصیل زبانی یزیدیوں سے دریافت کرتا رہتا تھا۔ میرے پاس اس کا فوٹو موجود نہیں مگر جو کچھ میں نے دیکھا وہ یہ ہے تقریباً دو فٹ لمبا، تانبے کا بنا ہوا ایک بجلی کے لیمپ (Table Lamp) کی مانند مجسمہ ہے۔ خاصکر وہ لیمپ جو کشمیر میں پیپر ماشی کام سے بنتے ہیں۔ ان سے بہت مناسبت رکھتا ہے۔ اس کے چھ حصے ہیں اور ہر حصہ دوسرے سے علیحدہ ہو سکتا ہے۔ یہ تمام حصے پیچوں (Screws) سے جڑے ہوئے ہیں۔ سب سے اوپر ایک جانور کی تصویر ہے جو مور (طاؤس) کی مانند ہے۔ سب سے نیچے اس کا پیندا ہے جس پر یہ مجسمہ کھڑا کیا جا سکتا ہے

سب سے پہلا شخص جس نے انگریزی زبان میں ملکِ طاؤس کے مجسمہ پر لکھا، وہ سر ہنری لے یارڈ تھا۔ (Sir Henry Layard M.P.) ان کی مشہور کتاب "بابل اور نینوا" بہت عمدہ کتاب ہے۔ خوش قسمتی سے ہمیں یہ کتاب موصل کے ایک کتب فروش سے نہایت ارزاں داموں پر مل گئی۔ ورنہ اس کا آج کل بازار میں ملنا بہت مشکل ہے۔ بہت عرصہ سے ناپید ہے۔

سر لے یارڈ نے بھی جو خاکہ ملکِ طاؤس کا بنا رکھا ہے کسی حد تک غلط ہے۔ انھوں نے بجائے چھ حصوں کے پانچ دکھائے ہیں۔ ممکن ہے جو انھوں نے دیکھا اس کے پانچ ہی حصے ہوں، ملکِ طاؤس کے مجسمے مختلف ساخت رکھتے ہوں۔ مگر میں نے کتابوں سے تصویریں دکھا کر یزیدیوں سے اس بات کی تصدیق کر لی تھی اور خود اصل شکل بھی ایک تیار کر لی تھی۔ جس کی تصدیق اس وقت ہوئی جب تھوڑی دیر کے لئے مجھے ملکِ طاؤس کا مجسمہ دکھایا گیا۔

یہ مجسمہ کب بنا؟ کیوں بنا؟ اور کس نے بنایا؟ اس کے متعلق تمام یزیدی لاعلم ہیں

بہت سے قصے موجود ہیں، کوئی لکھتا ہے یہ آسمانوں سے آیا اور کوئی لکھتا ہے کہ یہ بخت نصر کے زمانے سے چلا آتا ہے۔ مگر یہ سب باتیں غلط ہیں۔ مجسمہ کی ساخت بتا رہی ہے کہ چیز پرانی نہیں، مختلف حصوں میں جو پیچ لگے ہوئے ہیں وہ ایک جدید ایجاد ہے۔ اور پھر یزیدیوں کا ابلیس کے ساتھ وابستہ ہونے کا واقعہ کربلا کے بعد کا قصہ ہے تو گویا یہ مجسمے کوئی پرانی چیز نہیں اور نہ ہی یہ ہے کہ ان کی تعداد مقرر ہے۔

مجھے اس وقت ایک قصہ یاد آگیا ہے جو میں قارئین کرام کے سامنے پیش کرتا ہوں مجھ سے یہ سنجار (Sinjar) کے ایک یزیدی نے بیان کیا۔ سنجار موصل سے ۸۰ میل مغرب کی طرف ہے اور جبل السنجار کی وادی میں واقع ہے۔ ابھی تک ان یزیدیوں کے کچھ گروہ جبل السنجار کے غاروں میں وحشیوں کی طرح رہتے ہیں۔

قصہ یہ تھا کہ ایک دفعہ ایام حج میں (یہ یزیدیوں کی یاترہ ہوتی ہے جس پر وہ تمام مقام شیخ عدی میں جمع ہوتے ہیں اور ہر ماہ اگست میں یہ منایا جاتا ہے) ایک یزیدی قافلہ سنجار سے شیخ عدی کو چلا۔ جب موصل کے قریب پہنچے تو ایک بدوؤں کا قافلہ ان پر آپڑا، اور لوٹ کھسوٹ شروع کر دی۔ انھوں نے ملک طاؤس کو ریت میں دبا دیا۔ جلدی میں نشان نہ رکھ سکے۔ مگر ان کی کوشش یہ تھی کہ ملک طاوس کو یہ دیکھ نہ پائیں۔ چنانچہ بدوؤں نے ان کو خوب لوٹا اور چلدیئے۔ ان کے جانے کے بعد جب ملک طاؤس کی تلاش شروع ہوئی تو وہ نہ ملا۔ حضرت ملک صاحب غائب تھے! یزیدیوں کو بہت کوفت ہوئی اور پشیمانی بھی کہ اب کریں گے تو کیا؟ حج کے موقعہ پر ان کی برادری کیا دکھلائے گی۔ چنانچہ طے یہ پایا کہ اس ندامت سے بچنے کے لئے ایک اور مجسمہ تیار کر لیا جائے۔ موصل پہنچنے سے پہلے انھوں نے ایک اور ملک طاؤس بنالیا!! یہ حال ہے اس کی نگرانی کا۔ اندریں حالات یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس کا دیکھنا کس قدر محال ہوگا۔

بہرحال ہم یہ بھی ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ ان کی تعداد مقرر ہے اور بڑھتی

گھٹتی نہیں۔ اور یہ بھی قرین قیاس نہیں کہ یہ کوئی قدیم چیز ہے۔ البتہ اس کی یزیدی جو تعظیم کرتے ہیں وہ قابلِ ذکر ضرور ہے۔ مگر کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس طرح ایک تانبے کی چیز کو چھپائے پھرتے ہیں۔ کوئی خاص خوبصورت چیز بھی نہ تھی اور نہ ہی ہیرے جواہرات اس پر لگے ہیں!

دراصل یہ مجسمے سات ہیں۔ ممکن ہے ان کی تعداد ان دو سالوں میں بڑھ گئی ہو یا کم ہو گئی ہو، جس وقت ہم شیخ عدی پہنچے اس وقت وہاں ایک بھی موجود نہ تھا۔ سالانہ حج گذر چکا تھا۔ اور ان میں سے ہر ایک مختلف اضلاع میں جا چکا تھا۔ مجھے ملکِ طاؤس دیکھنے کا اتفاق سنجار میں ہوا۔ یہ حج کے بعد کی بات ہے۔ مجھے ایک یزیدی نے وہاں بہت کوشش کے بعد دکھلایا

ایک نہایت لطیف بات ان سے اور معلوم ہوئی اور وہ یہ تھی کہ یزیدی بھی امام مہدی کی آمد کے منتظر ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ قیامت کے نزدیک وہ ظاہر ہو کر کردی زبان میں تبلیغ کریں گے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ نصرانیت اور اہلِ تشیع کا ان کی تعلیمات پر کس قدر اثر ہے۔ یقیناً وہ اہلِ تشیع کی طرح علاماتِ قیامت میں یقین رکھتے ہیں اور لفظِ "بغتۃً" کی غلط تفسیر کرتے ہیں۔

کردوں کی مہمان نوازی قابلِ ذکر ہے۔ اور خاصکر یزیدیوں کا تو یہ خاصہ ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ میں ایک یزیدی علاقے سے گذر رہا تھا جس کو باآزانی (Baazani) کہتے ہیں یہ موصل سے عین سفنی کے راستے پر پڑتا تھا۔ یہاں ملاقات ایک یزیدی معلم سے ہوئی جو نہایت خوش طبع واقع ہوا تھا۔ اس نے ہماری معلومات میں بھی کافی اضافہ کیا۔ یہ اس علاقے میں تن تنہا معلم تھا۔ ابھی میں نے ذکر کیا ہے کہ یزیدیوں میں تعلیم بہت کم ہے۔ اس کا الزام یہ حکومتِ عراق پر رکھتے ہیں۔ نہ معلوم کیوں؟ یہ امر ظاہر ہے کہ یزیدیوں کے تعلقات حکومتِ عراق سے کچھ کھنچے ہوئے ہیں۔ گذشتہ جنگِ عظیم کے بعد ان کے علاقوں میں دو ایک بغاوتیں ہو گئیں تھیں

مگراس وقت ترکی حکومت تھی۔

اس کے بعد جب عنانِ حکومت امیر فیصل کے ہاتھ آئی تو اس نے کوئی خاص توجہ ان کی طرف نہ کی۔ یزیدیوں کے علاقوں میں اکثر نصرانی بھی رہتے ہیں۔ نصرانیوں کے گرجے اور مدرسے اکثر ملتے ہیں مگر ان یزیدیوں کا مدرسہ کوئی نہیں۔ ابھی تک ان میں کوئی شخص بھی ایسا پیدا ہوا نہ تھا جس نے بغداد کی یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی ہو، اس کے برعکس ہمیں متعدد شخص ایسے ملے جو نصرانی تھے جن کے پاس لندن، فرانس، اور بیروت کی یونیورسٹیوں کی سندیں موجود تھیں۔ کچھ ان نصرانیوں میں مہندس تھے اور کچھ وکیل اور کچھ ڈاکٹر۔ ان بغاوتوں کے دوران میں حکومتِ عراق نے بہت سے یزیدی مروا دیئے تھے اور اس کے بعد کوئی دلچسپی حکومت نے کبھی نہ لی تھی۔

یہ سچ ہو یا غلط۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کہ یزیدیوں میں جہالت بہت زیادہ ہے۔ یزیدیوں کا اخلاق بہت بلند ہے۔ پردہ کی سختی سے پابندی کرتے ہیں۔ مگر یہ امر تو وہاں کے نصرانیوں میں بھی عام نظر آتا ہے۔ اور حقیقتاً وہاں کی عورتوں میں شناخت مشکل ہے کہ کون یزیدی ہے اور کون نصرانی اور کون مسلمان۔ سب سیاہ برقعہ کے اندر رہتی ہیں۔ اگر ان کی کوئی عورت کسی غیر یزیدی سے بیاہ کرلے تو وہ ان کی مجلس سے علیحدہ ہو جاتی ہے، ان کے مرد خود بھی باہر شادی نہیں کرتے۔ اور نہ ہی تبلیغ کے قائل ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کی تعداد کم ہوتی جارہی ہے اور کچھ عرصہ کے بعد بالکل معدوم ہو جائیں گے۔ کچھ ان میں سے آہستہ آہستہ اسلام میں بھی جذب ہو رہے ہیں۔

ان کی مہمان نوازی کا یہ حال ہے کہ اگر آپ ان کے گاؤں سے چپ چاپ نکل جائیں اور ان کو پتہ چل جائے تو فوراً جو اس گاؤں کا شیخ ہوگا وہ آپ کے پیچھے آدمی بھیجکر واپس بلوالیگا اور کہیگا کہ میری اس میں بے عزتی ہے کہ آپ میرے گاؤں میں سے بغیر میرے ہاں رات کاٹے چلے جائیں! وہ اپنی توہین سمجھے گا۔ اگر آپ نے دعوت نامہ قبول نہ کیا۔ اپنی حیثیت سے

بڑھکر آپ کی خاطر کرے گا۔ اور تواضع کرتے وقت یہ خیال نہیں رکھے گا کہ آپ یزیدی ہیں یا غیر یزیدی۔

ہاں، تو میں ذکر کر رہا تھا مقام شیخ عدی کا۔ تو جب ہم وہاں سے لوٹے، راستے میں بہت سے اہم تاریخی مقامات ہم نے دیکھے۔ یہ تمام مقامات آشوری تھے جن کا ہمارے اس موضوع سے کچھ تعلق نہیں۔ سطور بالا میں عین سفنی کا ذکر کیا تھا۔ طوفانِ نوح سے متعلق اور بھی بہت سے مقامات موجود ہیں۔ جن سے طرح طرح کے قصے کہانیاں وابستہ ہیں۔ اکثر مورخین یہ کہتے آئے ہیں کہ یہ واقعہ کوہِ ارارات پر ہوا۔

جب ہم اس کردستان کی سیر کرتے کرتے ایک مرتبہ ایران کی جنوبِ مغربی سرحد پر پہنچے تو وہاں سرحد کے اندر یعنی عراقی سرحد کے قریب ایک مقام راوندوز (Rav-andouz) تھا۔ اس سے قریب ہی کوئی پچاس میل پر اربیل کی طرف مقام شقلاوہ ہے۔ جو حکومتِ عراق کا گرمیوں میں ہیڈ کوارٹر ہوتا ہے۔ یہاں شقلاوہ کے قریب ہی ایک سلسلہ کوہستان ہے جس کو کوہِ سفینہ کہا جاتا ہے۔ یہاں یہ مشہور ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی عین سفنی سے ہوتی ہوئی یہاں آکر ٹھہر گئی تھی۔ مگر ساتھ ہی جبل السنجار کی ایک چوٹی کے متعلق بھی یہی مشہور ہے۔ اب شقلاوہ موصل سے نوّے میل کے فاصلے پر شمالِ مشرق کی طرف ہے اور جبل سنجار کی یہ چوٹی پورے اسّی میل مغرب کی طرف ہے۔ معلوم کونسی روایت درست ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

آسانی کے لئے صفحہ ۳۶۳ پر ایک نقشہ بنا دیا ہے تاکہ مقامات کا مرقع سمجھنے میں تکلیف نہ ہو۔

حقیقت کچھ ہی ہو اس میں شک کی گنجائش نہیں کہ تمام مقامات تاریخی اہمیت رکھتے ہیں اور ہر جگہ اہم انکشافات ہو چکے ہیں۔ مگر اس کے باوجود ہمارا خیال ہے کہ بہت کچھ ابھی نظرِ شوق کو دیکھنا باقی ہے اور انہی علاقوں سے عنقریب برآمد ہوگا۔ ہم نے ان تمام مقامات کا بغور مطالعہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جس قدر بھی آثار قدیمہ وہاں موجود ہیں ان کی تمام تاریخیں وہاں ہی بیٹھکر پڑھی ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ پھر کسی موقعہ پر ان آثار کے متعلق ذکر

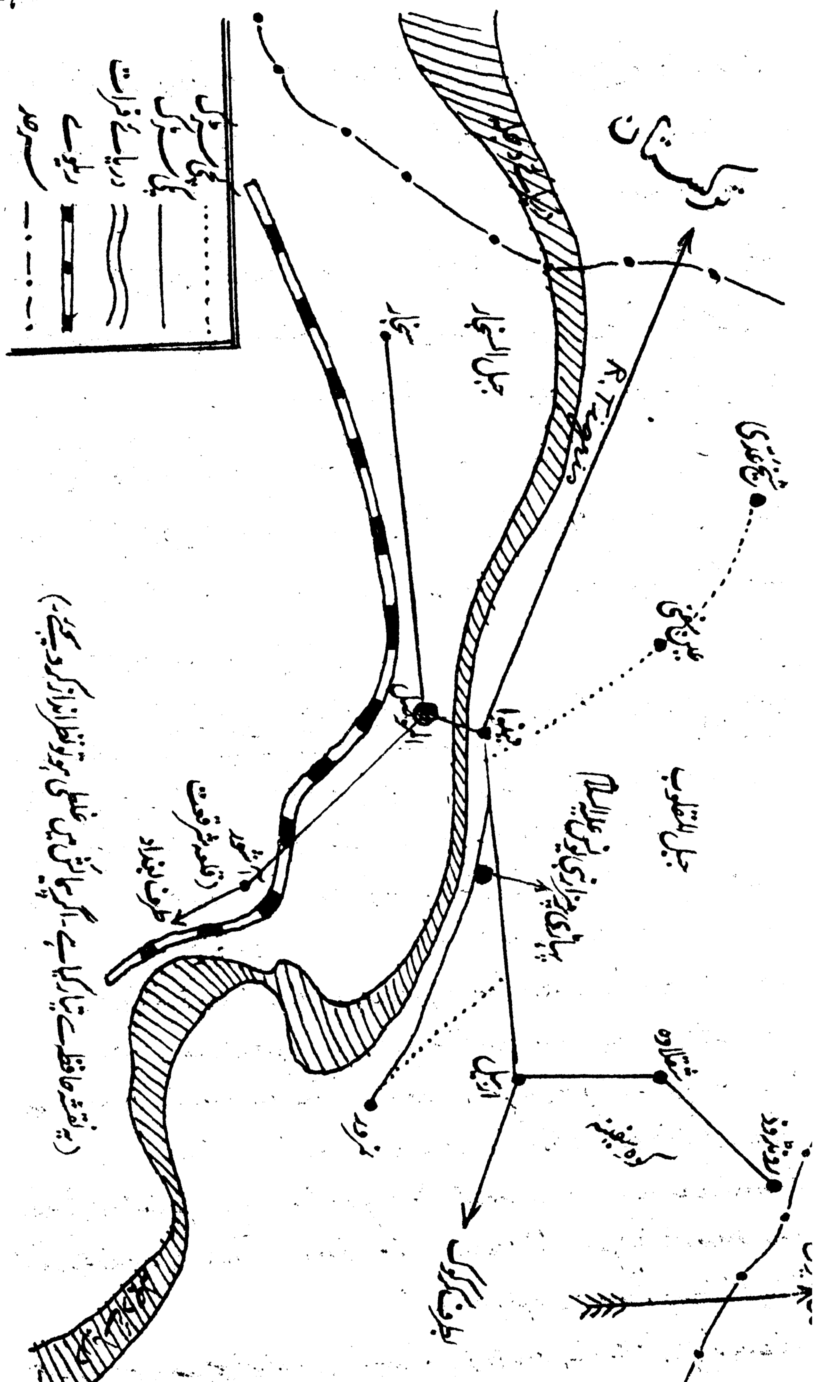
ترکستان

کیا جائے گا۔ اور یہ بھی انشاء اللہ ثابت کیا جائے گا کہ یہ علاقہ جس کا نقشہ پیش کیا گیا ہے دنیا میں ایک بہت اہم ترین علاقہ ہے۔ اس علاقے کو پرس رام روایت میں مدھ دیسی کہا گیا ہے . . . .
(Madhya Desa in the Parasa Rama Tradition)
یہ مدھ دیسی قدیم ایرانی اور آشوری کتبات میں مادا کے نام سے موسوم ہے (Mada.) چنانچہ خط میخی کے کتبوں میں بھی یہی نام ہے۔ اسی کو یونانیوں نے میڈیا بنایا۔ اور آہستہ آہستہ بڑھتے بڑھتے اس کا نام ایشیائے کوچک پڑ گیا۔ درحقیقت یہ میڈیا، مادا سے بنا تھا اور یہی مادا، مدھ دیس تھا۔ یہ علاقہ آج کل کا کردستان ہے جو درحقیقت کوروستھان سے بگڑا ہوا ہے اور اسی کا نام میڈیا اور مادا تھا۔ چنانچہ یہی کُرد جن کا ہم اوپر ذکر کرتے آئے ہیں کورو ہیں، جن کا ذکر مہابھارت میں ملتا ہے داستان بہت دلچسپ ہے مگر موضوع بدلتا جا رہا ہے پھر انشاء اللہ تعالیٰ کسی دوسری صحبت میں ان تمام مقامات کا بتفصیل ذکر کریں گے۔

یزیدیوں کے تین اضلاع کا نام تو ہم لے چکے ہیں۔ اب ان کا آخری مقام بھی بہتر معلوم ہوتا ہے

---

لہ جب میں عراق سے واپس لوٹا تو کچھ دیر پونہ میں قیام رہا۔ وہاں مجھے اواخر جنوری ۱۹۴۲ء میں میرے ایک کرم فرما ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب چغتائی نے مجھے ایک رسالہ عنایت فرمایا جو مسٹر کے ایم منشی کا خطبۂ صدارت تھا جو ڈاکٹر سکھنکر (جو مہابھارت کے عالم تھے) کی وفات پر انھوں نے پونہ میں دیا تھا۔ ۱۲ر جنوری ۱۹۴۲ء کو مسٹر منشی (K.M. Munshi) اس خطبے میں فرماتے ہیں:۔
"In Mahabarta Santiparva 49 it is Stated that Brhadratha ans ruling in Maghdha Sarva-Karma in Ayodhya, Sarvalbhaunra in Hasting Pura, Citrasatha in Agna and Vasta in Kasi Samiarma nerived the fortunes of the Kurus in madhya Desa. His Son Kuru extended his Kingdoms of Cedi."
ہم نے ان تمام مقامات کے متعلق تحقیقات کی ہیں انشاء اللہ تعالیٰ پھر کسی وقت ناظرین کے سامنے انھیں پیش کیا جائے گا۔

بیان کر دیا جائے۔ یہ علاقہ وسطِ آرمینا میں ہے۔ ہمیں یہاں جانے کا اتفاق آخر ۱۹۴۲ء میں ہوا مگر اس وقت ان لوگوں سے کچھ دلچسپی نہ تھی۔ تاہم اب نظر دوڑا کر دیکھتا ہوں تو ان میں دیگر یزیدیوں کے ساتھ ایک یگانگت محسوس کرتا ہوں۔

کچھ یزیدی ہمیں اردبیل میں بھی جو قفقاز کی سرحد پر واقع ہے اور ایرانی حکومت کا آخری شہر ہے ملے۔ اور کچھ بندر میلوی کے گرد و نواح پھونیل میں۔ دراصل ہمیں پہلی مرتبہ ان لوگوں کے متعلق اطلاع اردبیل ہی سے ملی۔ اس وقت تک ابھی شمالی عراق کی طرف ہمارا گذر نہ ہوا تھا اردبیل کے ایک یزیدی نے ہمیں بتلایا کہ ان کے مذہب کے لوگ بلوچستان اور سندھ میں بھی موجود ہیں۔ ۱۹۴۴ء کے وسط میں مجھے کوئٹہ، بوستان، اور چمن جانے کا اتفاق ہوا مگر وہاں ان کا کچھ پتہ نہ چل سکا۔ البتہ قرین قیاس ہے کہ سندھ میں شاید کچھ ہوں۔ ہماری تحقیق کے مطابق سندھی کرد ہیں اور بلوچ بھی کرد ہی ہیں۔ چنانچہ سندھی ہور اور بلوچی کرد دونوں آرین اقوام کی نسل سے ہیں جو پہلی دفعہ میڈیا میں پہنچیں اور جن کو میتانی (Mitani.) کہا جاتا ہے یہ بھی ایک دوسرا قصہ ہے۔ اس کا پھر کسی وقت ذکر کریں گے اور انشاء اللہ تعالیٰ اس شجرۂ نسب کو مکمل طور پر پیش کریں گے۔

ہمیں اس وقت ملکِ طاؤس کے متعلق ایک اور بات کہنا ہے اور وہ یہ کہ ملک طاؤس کی نگرانی کرنے والے جو لوگ ہوتے ہیں ان کو ایک کمیٹی خاص طور پر تعین کرتی ہے اور ان کو قوال کہا جاتا ہے۔ مگر ہمارے قوالوں سے ان کا پیشہ بالکل مختلف ہے۔ یہ گاتے بجاتے بالکل نہیں صرف حفاظت اور صفائی پر ہی معین ہیں۔ جس طرح کسی مزار کا کوئی مجاور ہو اسی طرح یہ اس مجسمہ کے مجاور ہوتے ہیں۔ مگر ان کی قدر بہت کی جاتی ہے۔ میں نے اس لفظ کی وجہ تسمیہ بہت دریافت کی مگر مجھے پتہ نہیں چل سکا کہ ان کو قوال کیوں کہا جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔